

عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کی صحیح ترجمانی کی ضرورت

اقوام متحدہ میں پاکستان کی مستقل مندوب ڈاکٹر ملیحہ لودھی نے گزشتہ روز جنرل اسمبلی کی لیگل کمیٹی کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

”اسلام کی غلط اور غیر معقول عکاسی کرنے والوں کے خلاف کاروائی اور دہشت گردی کی روک تھام کے لیے حکمت عملی بنائی جائے۔ اسلام کے خلاف متعصبانہ رویہ اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے تناظر میں اسلامی عقائد کی تعصب پر مبنی کردار کشی کی روک تھام پر بھرپور توجہ دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز تقاریر اور اشتعال انگیز کاروائیاں ناقابل برداشت ہیں جو کہ نہ صرف روپوں میں شدت کا باعث بنتی ہیں بلکہ اس سے مغرب اور اسلامی دنیا کے مابین غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح دہشت گردی کی ان بنیادی وجوہ کو دور کرنا ضروری ہے جن سے دہشت گردی فروغ پاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بین الاقوامی برادری کو دہشت گردی کی بنیادی وجوہ سمیت طویل عرصہ سے حل طلب تنازعات کے حل، طاقت کے غیر قانونی استعمال اور جارحیت کی روک تھام جیسے امور پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ ڈاکٹر ملیحہ لودھی نے کہا کہ بین الاقوامی برادری کو غیر ملکی قبضہ، حق خود ارادیت سے انکار، سیاسی اور اقتصادی نا انصافیوں کے ساتھ سیاسی استحصال اور پسماندگی جیسے مسائل حل کرنے پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔“

اقوام متحدہ کے کسی فورم پر اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے اس قسم کی باتیں ایک عرصہ کے بعد سنائی دی ہیں جن پر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ ایک دور میں ڈاکٹر مہاتیر محمد اس لہجہ میں بات کیا کرتے تھے، مگر اب وہ نہ صرف یہ کہ اقتدار میں نہیں ہیں بلکہ صاحب فراش بھی ہیں۔ اس لیے ہمارے جیسے نظریاتی کارکن ان کی صحت یابی کی دعا کے ساتھ ساتھ اس تمنا کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں کہ اے کاش کسی مسلم ملک کا کوئی نمائندہ اقوام متحدہ کے فورم پر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بات کرے۔ اس لیے ہمیں ڈاکٹر ملیحہ لودھی کی یہ باتیں بہت اچھی لگی ہیں اور ہم ان کے لیے سعادت دارین کی دعا کرتے ہیں، آمین یا رب العالمین۔

اقوام متحدہ کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے بہت سی باتیں کرنے کی ہیں اور کیونکہ گزشتہ ستر برس سے ایسے معاملات جمع ہوتے جا رہے ہیں جن پر بات کرنے کی ضرورت ہے مگر سنجیدگی کے ساتھ کسی مسئلہ کو کسی مناسب

فورم پر نہیں اٹھایا رہا، اس لیے یہ فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے۔ ہم بھی ایک عرصہ سے اقوام متحدہ اور عالم اسلام سے متعلقہ مسائل و معاملات پر اپنے محدود دائرہ میں کچھ نہ کچھ کہہ اور لکھ رہے ہیں اور اس موضوع کے طلبہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند گزارشات اس موقع پر بھی ارباب فکر و دانش کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔ اس امید پر کہ ہو سکتا ہے ان معروضات کو کوئی بہتر زبان یا فورم میسر آ جائے اور وہ وہاں تک رسائی حاصل کر سکیں جہاں ان گزارشات پر سنجیدگی کے ساتھ غور و خوض کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر ملیحہ لودھی کی مذکورہ بالا گفتگو کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ اور عالم اسلام کے تعلقات کی موجودہ صورت حال کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دنیا کے کم و بیش سب ہی مسلم ممالک ایک آدھ کی استثناء کے ساتھ اقوام متحدہ کا حصہ ہیں، اس کے نظام میں شریک ہیں اور اس کے مثبت اور منفی فیصلوں کا دائرہ کار ہیں، مگر مسلمانوں کے طور پر ان کا تشخص کسی جگہ بھی تسلیم نہیں کیا جا رہا۔ اور اس حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا رہا کہ دنیا کے ڈیڑھ ارب سے زیادہ مسلمان نہ تو اپنے مذہبی تشخص سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہیں اور نہ ہی قرآن و سنت کے معاشرتی احکام کو اپنی انفرادی، خاندانی اور اجتماعی زندگی سے بے دخل کرنے پر آمادہ ہیں۔ پوری دنیا میں مجموعی صورت حال یہی ہے مگر اسے تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے۔ اور بلاوجہ فرض کر لیا گیا ہے کہ دنیا کی باقی آبادی کی طرح مسلمان بھی مذہب کے معاشرتی کردار سے کنارہ کش ہو گئے ہیں یا انہیں اس پر تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک مغرب اور عالم اسلام کے درمیان موجودہ کشمکش اور اس میں دن بدن شدت پیدا ہوتے چلے جانے کی اصل وجہ یہی ہے۔ اس لیے جب تک یہ معروضی حقیقت تسلیم نہیں کر لی جاتی کہ مسلمان آج بھی اللہ تعالیٰ، قرآن کریم اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ و سنت پر بے لچک یقین رکھتے ہیں اور ان کے احکام و قوانین کو اپنی معاشرتی زندگی کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں اس وقت تک باقی امور میں بہتری کی طرف کسی پیش رفت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اقوام متحدہ اور مغربی قیادت کے لیے صحیح راستہ یہی ہے کہ وہ اسلام کے معاشرتی وجود اور مسلمانوں کے اسلامی تشخص کی نفی کرنے اور اسے نظر انداز کرتے چلے جانے کی بجائے اسے ایک زمینی حقیقت کے طور پر تسلیم کریں اور اس کی بنیاد پر مسلمانوں کے ساتھ معاملات کو از سر نو طے کرنے کی کوئی صورت نکالیں۔ ورنہ اقوام متحدہ اور مغربی طاقتوں کے بارے میں مسلم دنیا کی بے چینی اور اضطراب میں بہر حال اضافہ ہوتا رہے گا، فاصلے بڑھتے رہیں گے اور بے اعتمادی اور نفرت میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

اقوام متحدہ کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ کرنے کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور سمیت ان تمام بین الاقوامی معاہدات پر مسلم دنیا کے تحفظات بدستور موجود ہیں جو آج کے عالمی نظام کی بنیاد تصور کیے جاتے ہیں اور عملاً بین الاقوامی قوانین کا درجہ رکھتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ آبادی کا ایک بڑا حصہ اگر اپنے اوپر لاگو ہونے والے قوانین کو اپنے عقائد کے منافی سمجھتا ہو اور ان کے اصولی اور اخلاقی جواز پر تحفظات رکھتا ہو تو باہمی اعتماد کی فضا قائم نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ایسے ماحول کو کسی بہتر مستقبل کا پیش خیمہ تصور کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اقوام متحدہ کے ساتھ یہ معاملہ اٹھانا بھی ضروری ہے کہ دنیا کی کل آبادی کا کم و بیش ایک چوتھائی حصہ اقوام متحدہ کی پالیسی سازی کے نظام کا حصہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ فیصلے اور تفیذ کی اصل قوت سلامتی کونسل کے پاس ہے جبکہ سلامتی کونسل میں اصل اتھارٹی ”پانچ ویٹو پاورز“ ہیں جن کے ہاتھ میں پوری دنیا کا نظام ہے۔ اس دائرہ میں نہ کوئی مسلم ملک شامل ہے اور نہ ہی کسی مسلم ملک یا مسلمان ملکوں کے کسی اجتماعی فورم کی وہاں تک رسائی کا کوئی امکان ہے۔ اس لیے پالیسیوں کی تشکیل اور نفاذ کے موجودہ نظام کو دنیائے اسلام ”ون وے ٹریفک“ سمجھتی ہے اور خاص طور پر مسلم ممالک کے بارے میں سلامتی کونسل کے فیصلوں کو ”یکطرفہ فیصلے“ تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس ماحول کو عملی طور پر تبدیل کیے بغیر باہمی تعلقات اور رویوں میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔

مگر اقوام متحدہ سے بات کرنے سے قبل ان مسائل پر عالم اسلام کے علمی، فکری اور دینی مراکز میں مباحثہ ضروری ہے۔ اقوام متحدہ کے معاہدات، قوانین، فیصلوں اور پالیسیوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے موجودہ عالمی نظام کے بارے میں مسلمانوں کی شکایات، تحفظات اور مطالبات کو مرتب کرنے اور دانش و منطق کی زبان میں اسے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے اسلامی یونیورسٹیوں، بڑے دینی مدارس اور علمی و فکری مراکز کو خواب غفلت سے بیدار کرنا وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ ہم تو صرف گزارش ہی کر سکتے ہیں جو اس امید کے ساتھ کرتے رہتے ہیں کہ

۔ شاید کہ اتر جائے ”کسی“ دل میں مری بات

اللہ پوچھے گا

سپریم کورٹ کے محترم جج جسٹس (ر) سرمد جلال عثمانی اپنی مدت ملازمت پوری کر کے عدالت عظمیٰ سے رخصت ہو گئے ہیں مگر جاتے جاتے ملک کے دینی حلقوں کو بے چین اور متحرک کر گئے ہیں۔ سابق چیف جسٹس جناب جواد ایس خواجہ نے رخصت ہوتے ہوئے قومی زبان اردو کے بارے میں تاریخی فیصلہ صادر کر کے ایک کریڈٹ اپنے نام تاریخ میں محفوظ کر لیا تھا، جبکہ جسٹس (ر) سرمد جلال عثمانی نے بھی جاتے ہوئے سودی نظام کے خلاف حافظ عاکف سعید کی رٹ مسٹر دکر کے اور متنازعہ ریمارکس دے کر ایک ”کریڈٹ“ اپنے نام ریکارڈ کر دیا ہے۔ انہوں نے عدالت عظمیٰ کے جج کے طور پر فرمایا کہ سودی نظام ختم کرانا سپریم کورٹ کا کام نہیں اور نہ ہی وہ سپریم کورٹ میں مدرسہ کھول کر کے سود کے حرام ہونے کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اور یہ کہ جو سود نہیں لینا چاہتے وہ نہ لیں اور جو لے رہے ہیں ان سے خود اللہ تعالیٰ پوچھ لے گا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

جسٹس عثمانی کے ان ریمارکس نے ملک بھر کے دینی حلقوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی فکر مند اور بے چین کر دیا ہے جو قائد اعظم محمد علی جناح کے ارشاد کے مطابق ملک کے معاشی نظام کو اسلامی اصولوں پر استوار ہو تا دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اپنی اپنی قسمت کی بات ہے کہ کوئی شخص رخصت ہوتے ہوئے اپنے بارے میں کیا تاثر چھوڑ کر جاتا ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”العمرۃ بالخوا تیم“ کہ آخرت میں نجات کا

دار و مدار انسان کی دنیوی زندگی کی آخری کیفیت پر ہوتا ہے۔ جبکہ قومی شخصیات کی معاشرتی زندگی میں بھی یہی اصول کار فرما دکھائی دیتا ہے کہ اپنی سروس مکمل کر کے جس کیفیت میں وہ رخصت ہوتے ہیں وہ قوم کو ہمیشہ یاد رہتی ہے اور تاریخ بھی اسے اپنے ریکارڈ میں محفوظ کر لیتی ہے۔

تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے عدالت عظمیٰ سے درخواست کی تھی کہ حکومت سے کہا جائے کہ وہ دستور کی واضح ہدایت کے مطابق ملک میں سودی نظام کے خاتمے کا وعدہ پورا کرے۔ مگر جسٹس (ر) سرد جلال عثمانی کی سربراہی میں عدالت عظمیٰ کے بیٹج نے دوسرے فریق کو طلب کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں فرمائی اور یہ کہہ کر رٹ سرسری سماعت میں ہی مسترد کر دی کہ یہ فیصلہ کرنا وفاقی شرعی عدالت کا کام ہے جو اس کے بارے میں کیس کی سماعت کر رہی ہے۔ بات یہاں تک رہتی تو کسی حد تک سمجھ میں آ رہی تھی مگر جسٹس (ر) عثمانی کا یہ ارشاد سب کو حیران کر گیا کہ سودی نظام کے خاتمے کے لیے سپریم کورٹ کی سرے سے کوئی ذمہ داری ہی نہیں ہے۔ حالانکہ سودی نظام کے فوری خاتمہ کے لیے دستور پاکستان نے واضح طور پر حکومت کو پابند کر رکھا ہے اور حکومت کو دستوری احکامات کی تعمیل و تکمیل کی ہدایات دینا اور ان کی نگرانی کرنا عدالت عظمیٰ کی بنیادی ذمہ داری شمار ہوتا ہے۔

بہر حال ہم اس بحث میں سر دست نہیں پڑنا چاہتے۔ حافظ عاکف سعید اگر اس فیصلہ اور ریمارکس کے خلاف اپنا دستوری حق استعمال کرتے ہوئے نظر ثانی کے لیے عدالت عظمیٰ میں گئے اور اس پر فریقین کو بلا کر دونوں کا موقف سنا گیا تو سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ البتہ ملک بھر میں اس پر جس پریشانی اور بے چینی کا اظہار ہو رہا ہے، اس کی ایک جھلک قارئین کے سامنے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ متعدد دینی جماعتوں کے راہ نمائوں کے اخباری بیانات قومی پریس کی زینت بن چکے ہیں جبکہ مختلف مکاتب فکر کا ایک مشترکہ فورم ”تحریک انسداد سود پاکستان“ موجود ہے جس کی رابطہ کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے ذمہ داری دوستوں نے مجھے سونپ رکھی ہے۔ اس لیے جہاں جاتا ہوں دوست پوچھتے ہیں، رد عمل معلوم کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلہ میں آئندہ لائحہ عمل کی بات کرتے ہیں۔

11 اکتوبر کو سیالکوٹ گیا تو وہاں کے معروف دینی و سماجی راہ نمائے سید شبیر احمد گیلانی نے علماء کرام کی ایک محفل اسی حوالہ سے سجا رکھی تھی جس میں اس مسئلہ پر باہمی مشاورت ہوئی اور دوستوں نے مختلف تجاویز و تاثرات سے نوازا۔

13 اکتوبر کو مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں مختلف دینی جماعتوں کے راہ نمائوں کا ایک مشترکہ اجلاس مولانا خالد حسن مجددی کی صدارت میں ہوا جس میں طے پایا کہ شہر کے بڑے مراکز میں سودی نظام کے خلاف بیداری پیدا کرنے کے لیے کنونشن منعقد کیے جائیں گے۔ جبکہ چیئرمین آف کامرس کے راہ نمائے امیر فضل الرحمن چغتائی نے بتایا کہ چیئرمین بھی اس سلسلہ میں کنونشن کا انعقاد عمل میں لایا جائے گا۔

15 اکتوبر کو لاہور میں متحدہ علماء کونسل پاکستان کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالرؤف ملک کی رہائش گاہ پر ان کی صدارت میں دینی جماعتوں کے سرکردہ حضرات کا مشاورتی اجلاس ہوا جس میں مولانا محمد امجد خان، حافظ عاکف سعید، مولانا محمد رمضان، مولانا قاری جمیل الرحمن اختر، جناب امیر العظیم، ڈاکٹر حافظ حسن مدنی، مولانا مجیب الرحمن

انقلابی، مولانا حافظ محمد سلیم، مولانا یونس حسن، جناب عابد محمود قریشی اور دیگر حضرات شریک ہوئے۔ راقم الحروف بھی حاضر تھا اور باہمی مشاورت سے طے پایا کہ دینی حلقوں اور رائے عامہ کو بیدار و منظم کرنے کے لیے تحریک کا آغاز کیا جائے گا۔ اور تمام طبقات بالخصوص تاجر برادری، صحافی حضرات اور اساتذہ و طلبہ کو توجہ دلائی جائے گی کہ ملک سے سودی نظام کا خاتمہ شرعی ذمہ داری ہونے کے ساتھ ساتھ دستوری تقاضہ بھی ہے اور اس سلسلہ میں حکومت اور دیگر ریاستی اداروں کی بے پرواہی افسوس ناک ہے۔

اجلاس میں حافظ عاکف سعید، جناب اوریا مقبول جان اور راقم الحروف کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ سودی نظام کے خاتمہ کے لیے قیام پاکستان کے بعد سے مسلسل جاری تحریک اور اس کے تقاضوں کے حوالہ سے ایک جامع ”بریفنگ رپورٹ“ مرتب کر کے تمام طبقات اور اداروں کو بھجوائی جائے اور اس سلسلہ میں مختلف مقامات پر ”علماء کنونشنوں“ کا اہتمام کیا جائے۔ اس بات پر بطور خاص زور دیا گیا کہ سب سے زیادہ علماء کرام کو اس کے لیے متحرک ہونا چاہیے جبکہ علماء کرام کو سودی نظام کے خاتمہ کی جدوجہد کے پس منظر اور پیش رفت سے آگاہ رکھنے کے لیے منظم محنت کرنا ہوگی۔ کیونکہ علماء کرام سودی حرمت اور نحوست سے توجہ بخوبی واقف ہیں مگر ان کی اکثریت سودی نظام کے خلاف جدوجہد کی صورت حال سے آگاہ نہیں ہے۔

”مدارس کے متعلق میری ایک رائے یہ ہے کہ دینی مدارس میں صنعت و حرفت کا بھی انتظام ہو، خواہ طلبہ بعد میں یہ کام نہ کریں، لیکن سکھایا ضرور جائے۔ اس لیے کہ آج کل عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان مولویوں کو اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا، اس لیے وہ انہیں اپنا محتاج سمجھتے ہیں جس سے ان کی تحقیر ہوتی ہے۔ اگر کوئی دستکاری وغیرہ سیکھ لیں اور کسی وقت کسب معاش کی ضرورت ہو تو اپنے کام میں تو لگ جائیں گے اور اس طرح چندہ مانگنے سے بچ جائیں گے، اس لیے کہ چندہ مانگنے میں حد درجہ تحقیر ہے۔“

(حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، الافاضات الیومیہ، حصہ ششم ص ۲۶۶)